

جب بھی خدا سے عظمتیں طلب کریں تو انکساری کی عظمتیں

اور اس سلام کی عظمتیں طلب کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 نومبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٣٠﴾

(الرحمن: 27 تا 31)

پھر فرمایا:

یہ سورۃ رحمان کی آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی اس پر یعنی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور صرف تیرے رب کی شان جمال و جلال ہے جو باقی رہے گی۔ وہ صاحب جلال ہے اور صاحب اکرام ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو یا تکذیب کرو گے۔ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہر وقت وہ ایک نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ يَوْمٍ یہاں وقت کے پیمانے کے طور پر ہے اس لئے لِحْمِ لِحْمِ بھی یہاں يَوْمٍ کے مفہوم

میں داخل ہے۔ فَبِآئِي الْآلَاءِ رَبِّكُمْ أَتَكْفُرُونَ پس تم اپنے رب کی کن کن آیات کی تکذیب کرو گے۔ یہاں دونوں کا لفظ خطاب میں شامل ہے مگر جب ہم اردو میں تم کہتے ہیں تو لازم نہیں ہوا کرتا کہ ”دونوں“ لفظ کو دہرایا جائے مگر قرآن کریم نے یہاں جب بھی سوال اٹھایا ہے تو تم دونوں کہہ کر اٹھایا ہے۔ تو تم دونوں کن کن باتوں میں یعنی خدا تعالیٰ کی کس کس شان اور جلوہ گری کی تکذیب کرتے ہو یا کرو گے۔

یہ آیات بہت ہی گہرے عارفانہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان کی پوری تفسیر کا تو اس وقت موقع نہیں مگر ایک دو امور ایسے ہیں جن کی طرف جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ہر چیز فانی ہے اب یہ ایک ایسا اعلان ہے جو روزِ مرہ میں سب کو علم ہے لیکن اسے دہرایا کیوں گیا ہے اس قدر زور کے ساتھ ایک ایسی صورت میں جو چھوٹوں اور بڑوں دونوں کے لئے ایک عظیم چیلنج کا رنگ رکھتی ہے۔ جن اور انس، بڑے لوگ اور چھوٹے لوگ، دونوں کو مخاطب کرتی ہے اور بڑی شان کے ساتھ ان کو چیلنج کرتی ہے۔ اس میں اس مضمون کے بیان کا عنوان یہ رکھنا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ یہ کچھ گہری حکمت رکھتا ہے۔ درحقیقت ہر فانی انسان اپنے آپ کو فانی سمجھ رہا ہوتا ہے اور یہ عجیب متضاد زندگی ہے جو انسان گزارتا ہے اور اس کو شعور بھی نہیں کہ میرے اندر ایک، سوچوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ سب دنیا کو مرتے اور گزرتے ہوئے دیکھتا ہے، سب دنیا کو دیکھتا ہے کہ اس جہاں میں کوئی نہیں رہا۔ آئے دن روزانہ دنیا تبدیل ہو رہی ہے، ہر موت کے ساتھ ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اور کچھ عرصے کے بعد وہ جہاں ہی بدل جاتا ہے تو کتنے ہی ان گنت بدلے ہوئے جہانوں کا وارث ہو کر وہ اپنی ذات کے متعلق یہ گمان نہیں کرتا کہ مجھے بھی ایک دن اس دنیا سے گزر جانا ہے اور جب وہ گزرے گا تو پھر ان لمحوں میں وہ احساس کہ میں فانی تھا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔

یہی مضمون قرآن کریم میں فرعون کے ذکر میں کئی جگہ بیان ہوا ہے لیکن خاص طور پر اس کی ڈوبتی ہوئی گھڑیوں کی دعا کہ، اب میں ایمان لاتا ہوں بنی اسرائیل کے خدا پر، اس وجہ سے رد کر دی گئی یعنی کلیۃً نہیں مگر مرکزی نقطہ کے لحاظ سے دعا رد کر دی گئی کیوں کہ فانی انسان جب فنا کو آنکھوں کے سامنے کھڑا دیکھتا ہے وہ لمحہ ہے اس کے یقین کا کہ اب میں اس دنیا میں نہیں رہنے والا، میں فانی تھا اور اسی لمحے اس کی ساری زندگی اس کو اکارت جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تمام کوششیں، تمام اموال، سب دولتیں، سب نام

نام و نمود، سب اسی دنیا میں دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ اکیلا اکیلا خدا کے حضور حاضر ہونے کے لئے جب تیار کھڑا ہو پھر وہ اس قسم کے وعدے کیا کرتا ہے اب میں ایمان لاتا ہوں، اب مجھے نجات دے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم فنا کو دیکھ لو اور پھر نجات کی دعائیں مانگو تو تمہارے کسی کام نہیں آئیں گی، بدنی زندگی مل بھی جائے تو روحانی زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پس یہ وہ مضمون ہے جو ساری دنیا میں سب کے لئے قدر مشترک رکھتا ہے۔ فی الحقیقت انسان اپنی فنا پر ویسا یقین نہیں رکھتا جیسا یقین اس کی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا جانتے ہوئے کہ موت مقدر ہے پھر بھی اپنے آپ کو تبدیل نہیں کرتی۔ تو قرآن کریم کا اس شان کے ساتھ اس مضمون کا ذکر فرمانا جو بظاہر دنیا میں سب کو معلوم ہو یہ بتا رہا ہے کہ تمہیں وہم ہے کہ تم جانتے ہو، تم نہیں جانتے کہ ہر چیز فانی ہے اور جب ہر چیز کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد یہ ہے اعلانِ وَجْهَهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کہ ہاں تیرے رب کا جلال و جمال کا جلوہ ہے۔ جو باقی رہے گا اور دوسرا وَجْهَهُ کا مطلب رضا ہے جو باقی رہے گی۔ یعنی خدا کی رضا جس کو باقی رکھنا چاہے گی اسے رکھے گی اور جو کچھ بھی رہے گا رضا کی بنا پر، اس سے لٹک کر، اس کے سہارے رہے گا۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو اللہ کے جلال اور جمال کا جلوہ باقی رہے گا اور جس پر اس کی دائمی ازلی ابدی رضا کی نگاہ پڑی ہے وہ بھی باقی رہ سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی رضا میں شامل ہو کر اس سے الگ رہ کر نہیں۔

دوسری بات جو اس میں خاص طور پر توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں کے فنا کا، ان کی عظمت کے ساتھ جو تعلق ہے یہ مضمون اس بات کو خوب کھول کر بیان فرما رہا ہے کہ تمہاری عزتیں، تمہاری دنیا کی نمود کی کمائی جو کچھ بھی ہے اس کی خاطر تم دنیا سے چمٹے ہوئے تھے تو یاد رکھو کہ وہ بھی فنا ہیں اور اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہاں ایک خدا کے جلال و جمال کا جلوہ ہے جو باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے اگر عزتوں کی خاطر تم کچھ کرتے ہو، اپنی دنیا کی نام و نمود کے لئے محنتیں کرتے ہو تو وہ وقت آئے گا جب وہ چیزیں مٹ جائیں گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض قوموں اور بعض لوگوں اور بعض بڑے بڑے بادشاہوں کی عزت اور نام و نمود تو ہمیں دنیا میں پیچھے باقی رہتی دکھائی دیتی ہے یہ کیوں باقی رہی۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ اس مضمون کا آخری فنا کے فیصلے سے تعلق ہے

اس لئے اگر اس وقت سے پہلے کہ دنیا میں انسان کی صف لپیٹ دی گئی کسی کی عزت و جاہ و جلال کا تذکرہ باقی رہ بھی جائے تو اس کی حقیقت کوئی نہیں کیونکہ خدا کے علم میں یا خدا کے فیصلوں میں وقت کی وہ حیثیت نہیں ہے جو انسان کے علم اور فیصلوں میں وقت کی حیثیت ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی زمانہ تقسیم نہیں کرتا۔ نہ ماضی، نہ حال، نہ مستقبل۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور یہی اس کی ازلیت اور ابدیت ہے جو اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کے سوا ہر چیز کو فنا ہے۔ کسی چیز کو بھی ازل اور ابد کا دعویٰ نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے اور پہلے جو توہمات تھے دنیا کے مثلاً آریہ سماج کا عقیدہ کہ دنیا ازل سے ہے اور بعض یورپین فلسفیوں کا بھی یہ خیال کہ کوئی چیز عدم سے پیدا ہو ہی نہیں سکتی اس لئے ازل سے ہے اس خیال کو کلیئ غلط ثابت کرنے میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بھی ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ پہلے جو یہ خیال تھا کہ پروٹان کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس سے پہلے یہ خیال تھا کہ ایٹم Destroy نہیں ہو سکتا اور ایک Law تھا، یعنی نظریہ نہیں اس کو Law کہتے ہیں۔ Indestructibility of Atom جو کچھ مرضی ہو جائے ایٹم Destroy نہیں ہو سکتا اور ڈاکٹر عبدالسلام کے دور سے پہلے سائنس دانوں نے ثابت کر دیا کہ ایٹم تو Destroy ہو سکتا ہے اگر نہ ہو سکتا تو ایٹم بم کیسے بن جاتا اور پھر جب کائنات پر زیادہ گہری نظر ڈالی تو Black Hole کا جو تصور ابھرا ہے اور اس کا علم اور اس کی ماہیت سے متعلق جو سائنسی اندازے لگائے گئے تو پتا لگا کہ Black Hole تو بنتا ہی اس وقت ہے جب کہ ایٹم آپس میں کچلے جاتے ہیں اور الیکٹرانز کے فاصلے اپنے مرکز سے اس دباؤ کی طاقت سے جو Gravitational Pull ہے یعنی کشش ثقل اس کے نتیجے میں یوں آپس میں اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ بہت عظیم الشان وسیع کائنات سمٹ کر گویا ایک چھوٹے سے دائرے میں محدود ہو جاتی ہے جو پھر سمٹتا اور پھر سمٹتا ہے اور اپنی طاقت کے زور کے ساتھ ایک خود کشی کر لیتا ہے یعنی وجود اس طاقت کی عظمت کے سامنے جھک کر ایک فنا کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے جس کے متعلق انسان کچھ نہیں جانتا کہ وہاں کیا ہے اس کی پرلی طرف، اس کو کہتے ہیں Event Horizon۔

تو یہ حصہ جہاں تک ماضی کا تعلق ہے اس معاملے میں تو سائنس دانوں کی آنکھیں کہ یہ کائنات ازل سے بہر حال نہیں ہے مگر جہاں تک ابد کا تعلق ہے اس بات پر کافی اٹکے رہے ہیں کہ پروٹان Indestructible ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مرحوم و مغفور نے اس نظریہ میں بہت

بڑا کام کیا ہے اور بیماری سے پہلے مجھے ان سے اس بارے میں جو گفتگو کا موقع ملا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے Mathematically یعنی حساب کی مدد سے جو ثابت کیا ہے کہ دنیا کی پروٹائز کی عمر اتنی ہے۔ نظریہ کے طور پر تو اب سائنس دان اسے قبول کر چکے ہیں لیکن دو تین نظریے ہیں۔ بعض سائنس دان کہتے ہیں اس سے ایک حصہ کم، بعض کہتے ہیں ایک حصہ زیادہ مگر جو حصہ ہے وہ بھی بہت بڑا تصور ہے اس لئے آپ کو میں عددی تصورات میں الجھانا نہیں چاہتا۔

تو 32 Raise to the Power of 32 ہے یا 33 یا 34 ہے یہ بحث چل رہی ہے بس اور 32 اور 34 میں اتنا فرق ہے بظاہر ایک کا فرق ہے لیکن جب Powers میں باتیں کی جاتی ہیں تو اس مقام پر پہنچ کر عام انسانی ذہن اس کا تصور کر ہی نہیں سکتا کہ کتنی بڑی چیز ہے۔ مگر سائنسدان اللہ کے فضل کے ساتھ اور حساب دان بہت باریک باتوں کو اپنے استدلال کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں اور کائنات کے کناروں تک کی خبریں اپنے استدلال کے ذریعے حاصل کر لیتے ہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب نے جہاں تک مجھے یاد ہے 33 Raise to the Power of 33 کا نظریہ پیش کیا تھا اور مجھے بتا رہے تھے بلکہ کئی دفعہ بتایا کہ اس وقت دنیا میں لیبارٹری بڑی بڑی عظیم بے انتہا خرچ کر کے کام کر رہی ہیں۔ ان میں ایک امریکہ میں بھی ہے ایک اٹلی میں بھی ہے اور شاید ایک اور جگہ بھی اور اب تک جو خبریں ملی ہیں وہ امید افزاء ہیں۔ اگر یہ قطعیت سے ثابت ہو گیا تو ہرگز بعید نہیں کہ ایک اور نوبل پرائز ان کو مل جائے یعنی بطور حق کے ان کو ایسا Nobel Laureate بننے کی توفیق ملے کہ دو دفعہ زندگی میں Nobel Laureate بنیں۔

تو یہ ایک دنیا کا انعام و اکرام ہے جو ممکن تھا کہ ہو جاتا مگر جہاں تک عقلی تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی فضیلت عقل کی روشنی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مسلم ہے۔ کوئی دنیا کا سائنسدان نہیں ہے جو عظمت کی نگاہ سے آپ کو نہ دیکھے بلکہ اخلاقی قدروں اور عظمت کردار کے لحاظ سے یہ ایک وہ سائنس دان ہے جس کی دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی عزت کرتے تھے اور حقیقت میں ان کے سامنے عظمت کے ساتھ سر جھکاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے بے تکلف گفتگو میں مجھے انہوں نے کئی دفعہ بتایا کہ فلاں ملک کا سربراہ اس طرح مجھ سے پیش آتا ہے، فلاں ملک کا اس طرح پیش آتا ہے، دعوتیں دیتے ہیں کہ ہمارے پاس آؤ ہم شاہی اعزاز کے ساتھ تمہاری خدمت کر کے

کچھ تسلی پائیں کہ ہم نے بھی کسی بڑے انسان کی کوئی خدمت کی ہے لیکن ان باتوں کے باوجود تکبر کا نام و نشان نہیں تھا اور یہ وہ اصل عظمت کر دار تھی جس کا میڈل سے تعلق نہیں ہے۔

پس اس مضمون کو اس طرف منتقل کرتے ہوئے میں چند باتیں ڈاکٹر صاحب کے متعلق بیان کروں گا مگر اس سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں عامۃ الناس کے لئے بھی ایک عجیب پیغام ہے جو کوئی بلندی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کو یہ پیغام ہے کہ تم بھی تو یا بڑے لوگوں میں ہو یا چھوٹے لوگوں میں ہو مگر بڑے بھی مٹ جانے ہیں، چھوٹے بھی مٹ جانے ہیں اور بڑے بھی اپنی بڑائی کی شانوں کے ساتھ مٹا دیئے جائیں گے اور چھوٹے بھی جو قدریں بھی وہ رکھتے ہیں ان کے سمیت مٹا دیئے جائیں گے تو اس عارضی چیز کے لئے تم کیوں کسی سے حسد کرو کیوں تکلیف میں مبتلا رہ کر زندگی گزارو کہ فلاں تو اتنا بڑا ہو گیا، فلاں نے اتنا علم حاصل کیا، فلاں کو اس طرح دنیا نے عزتیں دیں۔ فرمایا دنیا، دنیا کی عزتیں یہ ساری چیزیں فنا ہونے والی ہیں، اس سے کیوں نہیں تعلق جوڑتے جس کی رضا کا چہرہ کبھی فنا نہیں ہوگا۔

یہ وہ مضمون ہے جو ان آیات میں ہر بنی نوع انسان کی محرومی کے زخموں پر ایک ایسا پھایا رکھتا ہے کہ ہر دکھ کا علاج ہے لیکن اگر انسان اپنی توجہ پھیرے۔ چنانچہ آج صبح ڈاکٹر صاحب کے لئے دعا کے وقت یہ مضمون میرے ذہن میں ابھر کر میری دعا کو ایک اور رخ دے گیا۔ میں نے کہا یہ دنیا کی عزتیں تو آج نہیں توکل فنا ہونے والی ہیں کچھ بھی ان کا نہیں رہتا لیکن جو تیری رضا کی عزت ہے، جس کا وَجْهٌ رَبِّكَ میں ذکر آیا ہے وہ دائمی ہے۔ پس ان کے لئے قرآن کے الفاظ میں میں نے یہ دعا کی اُرْجِعِ اِلٰی رَبِّكَ رَاٰضِيَةً مَّرْضِيَةً (الفجر: 29) اے مطمئن روح! اپنے رب کے حضور اس طرح حاضر ہو کہ رَاٰضِيَةً ہو۔ تو اپنے رب سے راضی ہو اور مَّرْضِيَةً ہو، پس وَجْهٌ رَبِّكَ کی جولا زوال زندگی اور لازوال وجود کی خوش خبری ہے وہ ان دو لفظوں میں داخل ہو جاتی ہے۔

کوئی انسان جو اپنے رب سے راضی نہ ہو وہ ہمیشگی نہیں پاسکتا۔ کوئی انسان جس سے خدا راضی نہ ہو وہ ہمیشگی نہیں پاسکتا۔ پس اس مضمون کے ساتھ ہی میری توجہات بدل گئیں۔ یہ کہنے کی بجائے کہ آج ہم سے ایک ایسا وجود رخصت ہوا جس کے نتیجے میں ایک خلاء پیدا ہو گیا اور جماعت کو

آئندہ یہ خلاء محسوس ہوتا رہے گا میں نے کہا وہ مضمون کیوں نہ میں بیان کروں جو ہیبت کی مضمون ہے اور لازوال مضمون ہے۔ پس نیک انجام کے ساتھ میری توجہ نیک آغاز کی طرف گئی اور مجھے یہ خیال آیا کہ درحقیقت لوگ اچھے انجام کی طرف دیکھتے دیکھتے اس سے ایسے مرعوب ہو جاتے ہیں کہ بسا اوقات آغاز کا خیال ہی نہیں کرتے حالانکہ بہت سے پاک اور نیک انجام ہیں جن کی بنیادیں بعض دفعہ انسان کی پیدائش سے پہلے ڈال دی جاتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھی انہی وجودوں میں سے ایک وجود ہیں۔

جیسے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو جو عظمتیں ملی ہیں وہ بار بار یاد کرایا کرتے تھے دنیا کو، میری ماں کی دعائیں تھیں۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی توحید کے ساتھ وابستگی اور وفا، اس کا غیر متزلزل اور محکم یقین خدا کی وحدانیت پر اور غیر اللہ کو رد کرتے چلے جانا یہ وہ خوبیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کے لئے ایک نعمت کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ پس میں اپنی پاک بزرگ ماں کی دعاؤں کا ایک پھل ہوں اور یہ مضمون ان کو انکساری کی طرف لے جاتا تھا کہ کھل کر باتیں کرتے تھے، مجھ سے تو بہت بے تکلفی تھی، کہا کرتے تھے کہ بس قصہ وہی ہے سارا، میں کیا، میرا وجود کیا، دعاؤں کا پھل ہوں۔

اور ڈاکٹر صاحب بھی دعاؤں ہی کا پھل تھے۔ ان کے والد بزرگوار چوہدری محمد حسین صاحب اور ان کی والدہ ہاجرہ بیگم نام تھا ان کا دونوں ہی بہت مقدس وجود تھے، بہت پاکیزہ، صاف ستھرے، خالص پاکیزہ زندگی گزارنے والے اور احمدیت کے بعد تو سونے پر سہاگے کا عالم تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی پیدائش سے پہلے روایا دیکھا کہ ان کو ایک خوب صورت پاک بیٹا عطا کیا جا رہا ہے اور اس کا نام عبدالسلام بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مصلح موعودؑ کو روایا لکھی اور چونکہ بہت منسکر المزاج تھے اپنی روایا کی بنا پر خود نام نہیں رکھا خواب لکھ کر حضرت مصلح موعودؑ سے پوچھا کہ میں اس بچے کا کیا نام رکھوں۔ تو آپ نے فرمایا یہ اللہ نے تمہیں بتا دیا ہے تو میں کون ہوتا ہوں دخل دینے والا یہی نام رکھ لو۔ پس عبدالسلام اس بیٹے کا نام الہی منشاء اور رضا کے مطابق رکھا گیا جو ان کی خاص دعاؤں کا پھل تھا اور ساری زندگی پھر اس نے اس روایا کی سچائی کو ظاہر کیا اور اپنے ماں باپ کے خلوص کی قبولیت کو ظاہر کیا۔

تو اس میں ایک اور بھی ہمارے لئے سبق ہے۔ ایک وجود گزر گیا مگر اس کے حوالے سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے اے اللہ احمدیت کو اور نوبل لاربیٹ Nobel Laureate عطا کر مگر وَبِقِي وَجْهٍ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ نوبل لاربیٹ کتنے ہیں اور کتنوں کا مقابلہ کرے گی احمدیت، ہزار نوبل لاربیٹ ہیں اور بنتے چلے جائیں گے۔ چار اور بھی لے لئے احمدیت نے مانگ مانگ کے تو کتنا فرق پڑے گا لیکن وہ انعام یافتہ جو خدا کے دربار سے انعام یافتہ ہو وہ تو اگر ان پڑھ بھی ہو تو ایسا انعام یافتہ بن سکتا ہے کہ تمام کائنات کو چوٹی کے علماء اور چوٹی کے اعزاز پانے والے اس کی جوتیوں کو اٹھانے میں فخر محسوس کریں، اس کے پاؤں کی خاک چومنے میں فخر محسوس کریں۔ تو چھوٹی باتوں پہ ہم کیوں راضی ہوں، چھوٹی دعائیں کیوں مانگیں۔ وہ دعائیں مانگیں جیسی ڈاکٹر عبدالسلام کے باپ نے اپنے بیٹے کے لئے کی تھیں اور جن کو خدا نے اسی طرح قبول فرمایا کہ اپنی رضا کا مظہر بنایا اور اس بات کا قطعی ثبوت آپ کی زندگی کے لمحہ لمحہ نے دیا ہے۔

سائنس کی دنیا میں اتنے بلند مرتبہ تک پہنچنے کے باوجود کامل طور پر خدا کی ہستی کے قائل۔ بلکہ ایک دفعہ مجھے کہہ رہے تھے کہ جب میں کسی سائنسی اجتماع میں جاتا ہوں تو بعض سرگوشیوں کی آواز آتی ہے یہ وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے اور بھی سائنسدان اب ماننے لگے ہیں پہلے سے بڑھ گئے ہیں لیکن جس شان کے ساتھ آپ نے خدائے واحد و یگانہ کے ایمان کا حق ادا کیا ہے اور اس جھنڈے کو بلند کیا ہے ویسا کوئی اور سائنس دان اس جیتی دنیا میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا اور پھر خدائے واحد و یگانہ کی عظمت کے نتیجے میں جو انکسار پیدا ہوتا ہے وہ پوری طرح آپ کی ذات میں ہمیشہ رہا۔ نظام جماعت کے سامنے خادمانہ حیثیت کی حفاظت کی ہے۔

اب میں ان کی عمر کے لحاظ سے چھوٹا، دنیا کے علم کے لحاظ سے تو حیثیت ہی کوئی نہیں مگر جب مجھ سے گفت و شنید کرتے تھے، ملتے تھے وہ عزت و احترام کے تمام تقاضے جو خلافت سے وابستگی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو اس طرح پورا کرتے تھے کہ میں حیران رہ جاتا تھا اور باتوں میں مشورہ کر کے وہ کہتے تھے جو میں کہتا تھا وہ کرتے تھے جو میں بیان کرتا تھا یا مشورہ نہیں لیں گے، مشورہ لیں گے تو قبول کریں گے اس کو۔ غرضیکہ مجھے ان کی انکساری کو دیکھ کر رشک آتا تھا کہ کتنا بڑا عالم ہے سائنس کے مضامین میں۔ سوچیں میں ان سے بحث کر رہا ہوں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو پتا کچھ نہیں،

آپ کو حساب بھی نہیں آتا تو آپ مجھ سے کیا باتیں کر رہے ہیں۔ مگر انتہائی توجہ سے بات سن کر دلیل سے قائل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ رفتار کے اوپر بحث چلی کہ سائنس کا یہ اور خاص طور پر حساب دانوں کا یہ قطعی نظریہ ہے کہ روشنی کی رفتار سے کوئی چیز آگے نہیں بڑھ سکتی تو میں نے ان سے کہا کہ یہ جو حد لگائی جا رہی ہے یہ میں تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے اوپر حد بندی نہیں ہو سکتی، خالق کے اوپر نہیں ہو سکتی۔ حساب کھول دیئے باقاعدہ۔ اپنا حساب دان کھول لیا اور نقشے بنائے اور دائرے بنائے اور بتایا کہ یہ دیکھیں حسابی رو سے ناممکن ہے اور فزکس کے نظریہ کے لحاظ سے بھی یہ ناممکن ہے۔ میں نے باتیں سمجھیں، میں نے کہا آپ نے جو باتیں کہی ہیں دلیل کے ساتھ کہی ہیں میں دلیل کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر میں ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ یہ ساری باتیں آپ کے اس کائنات کے تصور سے وابستہ ہیں اور مشروط ہیں جو اب تک آپ پر ظاہر ہوا ہے اور کیا یہ درست نہیں کہ مادہ میڈیم ہے لہروں کے لئے اور اگر مادہ نہ بھی ہو تو کوئی میڈیم ہونا چاہئے اور میڈیم کی صفات ہیں جو رفتار طے کرتی ہے تو کیا ایٹھ کے علاوہ کوئی اور میڈیم بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایٹھ نہیں ہے تو پھر خود یہ محل نظر ہے کہ چیز حرکت میں کیسے رہتی ہے اور ویو (Wave) کیسے بنتی ہے جب کہ ویو (Wave) مادے کی صفت ہے اور حرکت کی صفت نہیں ہے۔ یہ باریک باتیں تھیں ڈاکٹر صاحب کو تو ایک لمحہ نہیں لگا ان باتوں کو سمجھنے میں۔

مجھے انہوں نے جواب میں کہا کہ آئن سٹائن تو قائل ہے کہ ایٹھ ہے اور ایٹھ ہی کی صفات ہیں جو جلوہ گر ہیں مگر باقی سائنس دان قائل نہیں ہوئے ابھی اور ابھی تک قطعی ثبوت کوئی نہیں مل سکا۔ میں نے کہا مل سکتا ہے کہ نہیں؟ کہا کہ ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا اگر ایٹھ کے سوا کوئی اور میڈیم ہو جس کی صفات مختلف ہوں تو رفتار بڑھ سکتی ہے!؟ انہوں نے کہا بڑھ سکتی ہے۔ میں نے کہا اب یہ بتائیں کہ اگر کسی چیز کو مادی میڈیم کی ضرورت نہ ہو اور وہ روحانی وجود ہو؟ آپ خدا کی ہستی کے قائل تھے اس کا انکار کر ہی نہیں سکتے تھے تو اس کو کون سا قانون پابند کرے گا کہ اس کا پیغام روشنی کی رفتار سے ان گنت زیادہ تیزی کے ساتھ جہاں وہ پہنچانا چاہئے پہنچا دے تو اس کے بعد وہ نہیں بولے پھر۔ صرف کہا ہاں اصولاً میں مان گیا ہوں یہ ٹھیک ہے یہ ہو سکتا ہے مگر معلوم دنیا میں اب تک جو ہے وہ یہی ہے

اس سے میں انکار نہیں کر سکتا۔

تو اس رنگ میں ان کے اندر یہ حوصلہ تھا اور یہ انکسار تھا کہ بالکل ان پڑھ، سائنس کے ابتدائی علم سے بھی عاری انسان، جس کا ماضی ان کے علم میں تھا کیا حیثیت رکھتا تھا کچھ بھی نہیں۔ اس سے اتنے بڑے مضامین کے اوپر بڑے حوصلے کے ساتھ گفتگو کرنا، اسے سمجھانے کی کوشش کرنا اور جب کوئی ایسی دلیل دی جائے جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق تسلیم ہونی چاہئے تسلیم کر لی، کر لیتے تھے تو یہ بھی رفعت کی علامت ہے یعنی انکسار، اور ان دونوں میں تضاد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں تبھی سجدے کا رفعتوں سے تعلق ہے رفعت (راء کی زیر کے ساتھ) لفظ عربی میں تو ہے مگر اردو میں بعض لوگ رفعت (راء کی زیر کے ساتھ) بھی کہہ دیتے ہیں اس لئے میں رفعت بھی کہہ دیا کرتا ہوں مگر اصل لفظ رفعت ہے۔ تو رفعتیں جو انسان کو عطا ہوتی ہیں ان کا انکساری سے گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ سجدے میں ربی الاعلیٰ کی دعا سکھائی گئی ہے۔ رب سب سے اعلیٰ ہے اور مراد یہ ہے کہ تم نے اس کے حضور جب ماتھا ٹیک دیا ہے جتنا نیچے ہو سکتے تھے ہو گئے ہو اب رب اعلیٰ کو یاد کرو تو تم اس سے فیض پاؤ گے اور رفعتیں حاصل کرنے والا اتنا ہی زیادہ جھکتا چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں مضمون لازم و ملزوم ہیں۔ سب سے زیادہ انکسار دنیا میں آنحضرت ﷺ نے دکھایا ہے اور سب سے زیادہ رفعتیں آپ کو عطا ہوئی ہیں۔

پس ایک بڑے آدمی کے گزرنے کے ساتھ ان مفاہیم پر گفتگو ہونی چاہئے جو لوگوں کو بڑا بنانے والے ہیں اور سب کے لئے برابر پیغام رکھتے ہوں۔ اب علم کے لئے اگر میں کہہ بھی دوں کہ دعا کرو کہ اللہ ہمیں سونوبل لارٹیٹ عطا کر دے تو کیا اس کا آخری نتیجہ نکلے گا؟ کیا وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ جائیں گے جنہیں کسی مکتب میں بیٹھنے کی توفیق نہیں ملی۔ تمام صاحب علم انسانوں سے اور ذی روح، ذی شعور وجودوں سے علم میں آپ کا وجود آگے بڑھ گیا تو ان رفعتوں کے لئے کیوں نہ دعا مانگی جائے جس میں ہم سب برابر کے شریک ہو جائیں گے۔ چھوٹا بڑا غریب ایک تیسری دنیا کا آدمی، ایک ترقی یافتہ مغربی ملک کا باشندہ ان سب کے لئے قدر مشترک ہے کہ اصل علم کا منبع، اصل عزتوں کا منبع جس کا علم اور جس کی عزتیں باقی رہنے والی ہیں وہ اللہ کی ذات ہے اسی کی طرف جھکو، اس کی طرف دل لگاؤ تم میں سے ہر ایک کو پھر وہ رفعتیں عطا ہو سکتی ہیں کہ جو اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتیں۔

تو اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے ان کو بہت بلند مرتبے عطا فرمائے اور ان کی رفعتوں کی جو جان ہے یعنی دعاؤں کا پھل وہ جان اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں اور نسلوں میں آگے جاری فرمائے۔ بعض بچے ان کی اولاد میں سے بہت سعید فطرت اور ایسا وجود رکھتے ہیں جن پر توقع سے نظریں پڑتی ہیں۔ ان کی بیٹی عزیزہ ہے، حمید الرحمن اور عزیزہ کا چھوٹا بیٹا جب بھی میں اس کو دیکھتا ہوں میں ان کو کہتا ہوں کہ اس میں تو مجھے ڈاکٹر سلام نظر آ رہا ہے، ایک اور ڈاکٹر سلام۔ تو یہ میری مراد ہرگز نہیں کہ وہ صرف نوبل لارنٹ بن جائے گا کسی وقت، میں جب کہا کرتا ہوں تو میں ان کو سمجھا رہا ہوں کہ میری یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ اس میں وہ خوبیاں پیدا کر دے جو روحانی رفعتوں کی علم بردار ہوتی ہیں اور روحانی رفعتوں کے مقابل پر دنیا کی رفعتوں کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتیں پھر اس کے صدقے میں نوبل لارنٹ بھی بنے تو کیا کمی، کیا بات ہے سبحان اللہ، نور علی نور یعنی نوبل لارنٹ کے اوپر رضا کی نظر جب پڑے گی تو نور پر نور نازل ہو جائے گا تو یہ دعا اس بچے کے لئے تو میں کرتا ہی ہوں آپ بھی یاد رکھیں اور اپنی اولادوں کے لئے یہ دعا کریں۔ اگر دنیاوی طور پر عظمتیں اور رفعتیں مقدر میں نہیں ہیں تو صرف ایک بات ہم مانگتے ہیں کہ تیری نظر ان پر ایسی پڑے کہ ان کی پیدائش بھی سلام کی پیدائش ہو اور ان کا وصال بھی سلام کا وصال ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم: 34)

جو حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا بچپن کی بتلائی گئی ہے وہ یہ وہ سلام ہے جس کے متعلق میں آپ کو توجہ دلارہا ہوں۔ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے پیدائش سے پہلے ہی وہ سلام لکھ دیا تھا جو سلام موت کا سلام بھی بن گیا اور زندگی کا سلام بھی بن گیا۔ پس جب بھی خدا سے عظمتیں طلب کریں تو انکساری کی عظمتیں طلب کریں اور اس سلام کی عظمتیں طلب کریں جو آسمان سے اترتا ہے اور پھر وہ جس شکل میں بھی نازل ہو بہت ہی خوب صورت اور دلکش دکھائی دیتا ہے لیکن کسی سے توقع رکھنا اور بات ہے اور اس توقع کا پورا ہونا ایک اور بات ہے۔ یہ دعا بھی ہونی چاہئے کہ اللہ ہر منزل کے خطرات سے بچا کر کسی شخص کو اپنی صلاحیتوں کے عروج تک پہنچائے۔ پس جن بچوں میں نجات دیکھتا ہوں، اعلیٰ اقدار دیکھتا ہوں ان کی ذہانت ان کے چہرے بشرے سے چمکتی ہے ان کے لئے میں یہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ خدا اس کو اس کے آسمانی نقطہ عروج تک پہنچائے۔

اب حضرت مصلح موعودؑ کی پیش گوئی میں یہ بہت ہی عارفانہ نکتہ ہے جو بیان ہوا ہے کہ ہر شخص کا ایک آسمانی نقطہ عروج ہے اور وہاں تک وہ بلند ہو سکتا ہے اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا لیکن بھاری اکثریت ہے، اتنی بھاری اکثریت کہ شاید اس کو اعداد و شمار میں شمار ہی نہ کیا جاسکے جو اس نقطہ عروج سے نیچے رہ کر مر جاتی ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو اس نقطہ عروج کی طرف حرکت کرنے کی بجائے مختلف سمت میں حرکت کرتے ہیں۔ اس مضمون کو قرآن کریم کی اس آیت نے کھولا ہے اور میں بارہا سمجھا چکا ہوں۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ (الاعراف: 177) ایک بدنصیب کا ذکر قرآن کریم فرماتا ہے اگر اللہ اسے چاہتا تو جو صلاحیتیں ہم نے عطا کی تھیں ان کے نتیجے میں اسے اس نقطہ عروج آسمانی کی طرف بلند کر لیتا جو اس کا منتہی تھا۔ وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وہ زمین کی طرف جھک گیا۔

پس آغاز اچھا ہونا ذمہ داریاں بھی یاد دلاتا ہے اور دعاؤں کی ذمہ داریاں بھی یاد دلاتا ہے کہ ایسے وجود جن پر تمہاری محبت اور پیار اور شفقت کی نظر ہو جن سے تم توقعات رکھتے ہو کب تک تم ان کی حفاظت کر سکو گے، کب تک ساتھ دو گے، کب تک یہ یقین رکھو گے کہ دنیا کے اثرات اسے اپنی طرف نہیں کھینچ لیں گے اس لئے یہ دعا بھی لازم ہے کہ اسے نیک انجام تک اللہ پہنچائے اور اس نقطہ نگاہ سے سب سے پیاری دعا جو میری زندگی کی جان ہے جس کے لئے میں کئی دفعہ، بعض دفعہ لوگوں کو رمضان سے پہلے بھی عاجزانہ خط لکھ کر خصوصیت سے متوجہ کرتا ہوں وہ یہ دعا ہے کہ ان میں شامل کر دے جن کے لئے آسمان سے یہ آواز اٹھے، ان کا استقبال اس لازوال آواز کے ساتھ ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٨﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً ﴿٢٩﴾

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٣٠﴾ وَادْخُلِي جَنَّاتِي (الفجر: 28 تا 31) تو جسے یہ نیک انجام نصیب ہو جائے اس سے بہتر کیا انسان تصور کر سکتا ہے؟

پس اس جانے والی پاک روح کے لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو ان لوگوں میں شمار فرمائے جن کی وفات کے وقت یہ آواز کان میں سنائی دی ہو، جس کی روح سے خدا اس طرح مخاطب ہوا ہو اور ان کی اولاد کو بھی وہ وجہ عظمت عطا کرے جو تعلق باللہ کی وجہ ہے۔ جہاں تعلق باللہ وجہ عظمت بنتا ہے، جہاں رفعتیں سجدے میں مضمر ہیں، جہاں ربی الاعلیٰ کی دعا اس طرح اٹھتی ہے کہ انسان

پھر ادنیٰ رہ ہی نہیں سکتا، وہ اعلیٰ سے تعلق جوڑ کر ضرور اعلیٰ بنایا جاتا ہے۔ یہ دعائیں اپنے لئے بھی، اپنی اولادوں کے لئے، سب گزرے ہوئے اور آئندہ لوگوں کے لئے بھی کریں کیونکہ جزا کا وقت تو ابھی باقی ہے یعنی آخری فیصلے تو قیامت کے دن ہونے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو یہ عظمتیں نصیب فرمائے اور پھر اپنے نشان کے طور پر دنیا کی برکتیں بھی بخشے کیونکہ دنیا کی آنکھ ان باتوں کو دیکھتی نہیں ہے مگر جب خدا کی عظمتیں دنیا کے نشانوں میں ظاہر ہوتی ہیں تب وہ آنکھیں کھولتی ہے اور وہ ان باتوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔

اب میں مختصراً کچھ یہ مضمون جو تھا میں نے جیسا کہ عرض کیا تھا لمبا مضمون ہے اس کے جو پہلو میرے ذہن میں تھے وہ پورے تو میں بیان نہیں کر سکا مگر امید ہے مرکزی نکتہ احباب جماعت کو سمجھ آ گیا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے احوال کا خلاصہ یہ ہے کہ 29 جنوری 1926ء کو پیدا ہوئے تھے۔ حضرت چوہدری محمد حسین صاحب جو صاحب رویا و کشوف بزرگ تھے ان کا نکاح بھی حضرت مصلح موعودؑ نے پڑھایا تھا، ان کی والدہ ماجدہ کا نام ہاجرہ بیگم تھا۔ یہ حکیم فضل الرحمن صاحب کی ہمیشہ رہیں۔ حکیم فضل الرحمن وہ مبلغ ہیں جو تیس (23) سال تک اپنی جوانی میں اپنی بیوی سے الگ رہے اور اف تک نہیں کی کبھی۔ افریقہ کے جنگلوں میں زندگی گزاری۔ نہایت پاکباز اور بہت ہی بااخلاق اور جاذب نظر شخصیت تھی۔ یہ ہمارے امریکہ کے ڈاکٹر حمید الرحمان صاحب کے خالوتھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ماموں اور ڈاکٹر حمید الرحمن صاحب کے خالوتھے۔ ثریا بیگم جن کا وصال ابھی ہوا ہے جن کی نماز جنازہ پڑھائی تھی ان کی ہمیشہ ڈاکٹر حمید الرحمان کی والدہ تھیں۔ تو یہ خاندان آپس میں اس طرح بڑے قریبی تعلق میں بندھا ہوا ہے اور بہت پاک روایتیں ہیں جو اس خون میں جاری ہیں۔ پس دعا کریں کہ یہ آئندہ بھی ہمیشہ جاری رہیں۔

وہ مجھے جو یاد تھا کہ رویا میں دیکھا تھا وہ رویا نہیں بلکہ کشفی طور پر آپ کو یہ دکھایا گیا تھا یہ نوٹس ہیں ان میں لکھا ہے ”تین (3) جون 1925ء کو خدا تعالیٰ نے کشفی طور پر دکھلایا کہ ایک فرشتہ ظاہر ہوا جس کے ہاتھوں میں ایک معصوم بچہ تھا، فرشتے نے وہ بچہ چوہدری محمد حسین صاحب کو پکڑا دیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا فرمایا ہے آپ نے اس بچے کا نام پوچھا تو آواز آئی عبدالسلام۔“ یہ رویا انہوں نے جب لکھ کر حضرت مصلح موعودؑ کو بھیجوائی اور نام کی درخواست کی تو آپ نے لکھا ”جب خدا تعالیٰ

نے خود نام رکھ دیا ہے تو ہم کیسے دخل دیں، یعنی یہ بات حضرت مصلح موعودؑ کا لکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت چوہدری محمد حسین صاحب کی رویا اور کشف کی سچائی پر آپ کو کامل یقین تھا اور ویسے بھی انکسار کا پھر یہی تقاضا ہے جب کہہ دے خدا نے نام رکھ دیا ہے مگر محض اس وجہ سے نہیں مجھے یقین ہے کہ چونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ ایک صاحب کشف انسان ہیں اس لئے یہی لکھنا اس وقت یا صرف یہی لکھنا جائز تھا کہ جب خدا نے نام رکھ دیا تو ہم کیسے دخل دیں۔

چنانچہ پھر یہ بڑھے ہیں تو اللہ کے فضل سے دعاؤں کے ساتھ۔ اب یہ اتفاقی بات نہیں ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ باقی بھی تو بہن بھائی ہیں ان کا تعلیمی کردار، بڑے ذہین ہیں، ہوشیار بھی ہیں، اچھے اچھے مرتبے حاصل کئے، کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ ایسا ہے جیسے کوئی چیز شوٹ Shoot کر کے ایسا اوپر نکل جاتی ہے کہ باقی سب چھوٹے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں اس کے مقابل پر، کوئی نسبت نہیں ہے۔ ہر میدان میں ایسے ایسے انہوں نے میڈل بچپن سے حاصل کرنے شروع کئے ہیں، ریکارڈ پر ریکارڈ توڑتے چلے گئے ہیں اور بعض ایسے ریکارڈ جو پھر اور ہو ہی نہیں سکتے۔ جب سو فیصدی نمبر لے لو گے تو ریکارڈ کیسے ٹوٹے گا اور پھر جب پاکستان میں ناقدری کی گئی تو انگلستان میں آئے اور انگلستان کی حکومت کی فراخ دلی ہے یا قدر شناسی کہنا چاہئے، فراخ دلی کا سوال نہیں، انہوں نے بڑی عزت کا سلوک کیا امپیریل کالج کی پروفیسر شپ کی سیٹ عطا کی اور مسلسل ان کے ساتھ بہت ہی عزت اور احترام کا سلوک جاری رکھا ہے۔

پھر اٹلی نے آپ کی عزت افزائی کی۔ انہوں نے جو ایک تحریک کی کہ میرے نزدیک وہاں ٹرانسٹی میں ایک سنٹر بنانا چاہئے سائنس کے فروغ کا تو حکومت اٹلی نے بڑا حصہ خرچ کا ادا کیا پھر دوسرے اداروں نے بھی اس میں حصہ لیا اور خاص طور پر غریب ممالک کے بچوں کو تعلیمی سہولتیں دے کر ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان کو نقطہ عروج تک پہنچانا، یہ آپ کا مقصد تھا اور اس میں قطعاً مذہبی تعصب کا اشارہ تک بھی نہیں تھا۔ غیر احمدی، پاکستانی، غیر پاکستانی، پولینڈ کے لڑکے، عیسائی، دہریہ سب پر یہ فیض برابر تھا جو رحمانیت کا فیض ہے اور اللہ کے فضل سے اس کے ساتھ بنی نوع انسان کو بہت بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ اب تعلیمی ڈگریاں اور میڈل بیان کرنے کا تو وقت نہیں ہے میں نے جو چیزیں اہمیت کی سمجھیں وہ بیان کر دیں۔ اب یہ ہمارا بہت ہی پیارا علموں کا خزانہ، دنیاوی علوم میں

بھی، روحانی علوم میں بھی ترقی کرنے والا ہمارا پیارا ساتھی اور بھائی ہم سے جدا ہوا۔ اللہ کے حوالے، اللہ کے پیار کی نگاہیں ان پر پڑیں اور ان کو سنبھال لیں اور اس کے علاوہ ان کی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کریں کہ خدا ان سے ہمیشہ حسن سلوک رکھے، شفقت اور رحمت کا سلوک رکھے اور ان دعاؤں کو آگے بھی، ان کے خون میں، ان کی نسلوں میں جاری کر دے جو ان کے حق میں قبول ہوئیں۔

اب آپ کے سامنے ایک اور ذکر خیر کرنا چاہتا ہوں وہ ہمارے بہت ہی پیارے مخلص فدائی امریکن دوست کا ذکر ہے۔ وہ بھی ڈاکٹر تھے، پی ایچ ڈی تھے، برادر مظفر احمد ظفر جو امریکہ کے نائب امیر تھے۔ یہ بھی انتہائی منکسر المزاج اور بے حد مستعد خدمت کرنے والے اور پی ایچ ڈی تھے مگر اپنے ساتھ ڈاکٹر نہیں لکھتے تھے اور ڈیٹن میں پروجیکٹ کیور (Cure) کے ڈائریکٹر تھے۔ مجھ سے بہت پرانا تعلق ہوا ہے جلسہ سالانہ پران کے آنے کی وجہ سے اس کے بعد یہ مسلسل بڑھتا رہا کیوں کہ ان کے اندر بہت گہری خوبیاں تھیں اور بڑا روشن دماغ تھا۔ امریکنوں کے مسائل کو جس وضاحت کے ساتھ یہ سمجھتے تھے بہت کم ہیں جن کو اتنا عبور تھا اور ان مسائل میں جب ان سے گفتگو ہوئی تو میں نے ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھایا اور مستعد ایسے کہ جب میں وہاں جایا کرتا تھا تو میری حفاظت کے تعلق میں جو انسانی کوششیں ہوتی ہیں ان کے یہ انچارج ہوا کرتے تھے، دن رات لگتا تھا ایک لمحہ بھی نہیں سوتے۔ جب نکلتا تھا یہ سامنے مستعد کھڑے ہیں۔

پھر ڈرائیونگ کرنی اور بہت تیز۔ میں نے کئی دفعہ سمجھایا کہ خدا کے لئے کچھ آرام کر لیا کریں۔ ورنہ آپ کو کیا، مجھے صدمہ پہنچے گا۔ تو پھر تھوڑا سا وعدہ کیا اچھا اچھا میں خیال رکھوں گا مگر کئی دفعہ یہ ہوا کہ اپنا کام کر کے پیچھے رہ گئے اور میں نے ذکر کیا کہ اوہو ہم تو یہاں بیٹھے انتظار کر رہے ہیں، کھانا بھی کھانا تھا ان کے بغیر مزہ نہیں آئے گا وہ تو بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو ابھی بات ختم نہیں ہوئی کہ سامنے آ کھڑے ہوئے۔ وہ ہوا کی طرح چلتے تھے ڈرائیونگ میں اور مزہ یہ ہے کہ پکڑے نہیں جاتے تھے۔ دعائیں کرتے ہوئے جاتے ہوں گے تو خدا کا غالب قانون جو ہے وہ دنیا کے قانون پر غالب آ کر ان کی حفاظت فرما لیتا تھا۔ کبھی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا خدا کے فضل سے۔ تو چند دن بیمار رہ کر اچانک جو جگر کا کینسر تھا جس کا علم بعد میں ہوا جس کی وجہ غالباً ان کا صبر ہے۔ انہوں نے معلوم ہوتا ہے عداً بتایا نہیں، ابتدائی علامتوں کا ذکر بھی کسی سے نہیں کیا۔ اس وقت پتا چلا جب وہ آگے بڑھ چکا تھا اور ان کا

وصال میرے لئے بہت گہرے صدمے کا موجب بنا ہے مگر یہ صدمے تو انسانی زندگی کا حصہ ہے۔
 وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ یہی پیغام ہے جو ہمیشہ سہارا بنتا ہے۔
 ان کی بیگم سسٹر رضیہ بھی غیر معمولی اخلاص رکھنے والی، مستعد اور بہادر خاتون ہیں۔ عورتوں میں وہ یہ
 ڈیوٹی دیا کرتی تھیں، ان کے اوپر ان کو ظاہر ہے کہ زیادہ اعتماد تھا۔ ایک دفعہ مجھے یوں لگا جیسے اچانک
 پیچھے سے کوئی دور جا پڑا ہے۔ تو دیکھا تو پرائیویٹ سیکرٹری ان کے کندھے کا شکار ہوئے تھے۔ ان کو حکم
 تھا کہ اس لائن سے آگے کوئی مرد نہیں جائے گا۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری یا کون
 ہے وہ لائن آئی ہے تو یوں کندھا مارا ہے کہ پرائیویٹ سیکرٹری لڑھکتے ہوئے دور تک نکل گئے۔ تو بڑی
 مستعد تھیں ماشاء اللہ۔ اب بھی مستعد ہیں، مستعد رہیں گی انشاء اللہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے
 لئے بہت دعا کریں۔

دیگر مرحومین جن کا جنازہ آج جمعہ کے بعد پڑھا جائے گا ان میں سرفہرست ہمارے صادق صاحب
 مرحوم شہید ہیں۔ ان کا ذکر مختصر ضروری ہے۔ بہت ہی پیارا وجود تھا، بڑی بہادری سے اپنی جان جان
 آفریں کو پیش کی ہے خدمت دین میں، دعوت الی اللہ میں۔ یہ وہ ہیں جن کے والد 1965ء میں
 احمدی ہوئے تھے۔ کٹر اہل حدیث علاقہ ہے وہ اور وہ چونکہ صاحب اثر تھے، سب سے پہلے ان کے
 بھائی احمدی ہوئے تھے ان کی تبلیغ سے والد احمدی ہوئے تھے۔ یہ اور ان کے ایک بھائی میاں عنایت اللہ
 تھے جو اس وقت تو سینے میں گھونٹ کراپنے بغض چھپاتے رہے جب تک والد زندہ تھے۔ ان کے سامنے
 سراٹھانے کی ان کو مجال نہیں تھی مگر ان کے وصال کے فوراً بعد انہوں نے شدید مخالفت شروع کی اتنی
 شدید مخالفت کہ اپنے بھائی جو ایمان لایا تھا باپ سے پہلے ہدایت اللہ صاحب ان کی زندگی اجیرن کر
 دی لیکن پھر آخر خود احمدیت کی صداقت کا 1974ء میں شکار ہوئے۔ جب 1974ء کی تحریک
 زوروں پر تھی اور شور تھا اور لوگ کہہ رہے تھے کہ اب ایسی دیواری بن گئی ہے کہ کوئی احمدی نہیں ہو سکتا تو
 یہ مخالفت پھلانگ کر امن کے دائرے میں آگئے اور اس کے بعد سے پھر ایک ننگی تلوار تھے احمدیت کی
 تبلیغ میں، احمدیت کا پیغام پہنچانے میں۔ انہی کی تبلیغ سے محمد اشرف صاحب آف جلاہن ضلع گوجرانوالہ
 وہ بھی کٹر اہل حدیث علاقہ کے تھے وہ احمدی ہوئے اور جب وہ احمدی ہوئے تو پھر اس علاقے کے
 مولویوں اور دوسروں سے برداشت نہیں ہوا۔ سب سے پہلے انہوں نے اشرف صاحب کو شہید کیا اور

اس کے بعد ان پر نظر رہی لیکن انہوں نے عین ان کے کٹر گڑھوں میں جا کر تبلیغ جاری رکھی چنانچہ پچھلے ایک دو سال کے اندر جب میں نے تحریک کی ہے دعوت الی اللہ کی تو خدا کے فضل سے پندرہ اہل حدیث کو بڑا مضبوط احمدی بنانے کی ان کو توفیق ملی۔ آخر یہ معاملہ دشمنوں کی برداشت سے باہر نکل گیا تو یہ جمعہ پر جا رہے تھے تو ایک پل پر جہاں دشمن تاک لگائے بیٹھا تھا انہوں نے گولیاں برساکریا کار تو سوں کی فائروں سے ان کو وہیں چھلنی کر دیا۔ وہیں شہید ہو گئے۔ تو ان کی جو واپسی ہے بڑی عظیم واپسی ہے۔ ایسی واپسی ہے جس کی قرآن ضمانت دے رہا ہے کہ یہ تو مرے بھی نہیں یہ تو زندہ رہنے والے وجود ہیں ان پر نہ تم رونا۔ اپنی فکر کرو کہ تم کیسے واپس جاتے ہو۔ یہ تو ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ تو ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ سارا خاندان بڑا بہادر ہے اللہ کے فضل کے ساتھ۔ ان کی اولاد میں بھی وہی رنگ ہیں عظمت کے، جو خلوص سے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ وفا سے پیدا ہوتے ہیں۔

اب باقی جو نماز جنازہ پڑھی جائیں گی ابھی نماز جنازہ ادا ہوگی جن کی وہ غلام رسول صاحب معلم اصلاح و ارشاد ہیں جو ہمارے مبارک احمد ظفر صاحب جو اس وقت نائب وکیل المال ہیں ان کے یہ والد ہیں۔ بہت سادہ مزاج میں جانتا تھا انہیں بہت اچھی طرح۔ ساری عمر بالکل سادہ کپڑوں میں دیکھنے والا پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ کیسا انسان ہے مگر ساری اولاد کی تربیت بہت ہی پیاری اور اعلیٰ درجہ کی کی ہے اور کبھی کسی کے خلاف شکوہ زبان پہ نہیں آیا۔

عنایت علی صاحب کھاریاں، ہمارے اخلاق انجم صاحب کے والد۔ یہ بھی وہ مبلغین ہیں جن کے والدین یا بزرگوں کو میں نے آج جنازے کے لئے چنا ہے۔ جو دین کی خاطر باہر تھے پیچھے ان کے بزرگوں کی وفات ہوئی ہے یا ملتا تو آخری موقع جانے کا ملا۔ مسعودہ بیگم صاحبہ عبدالسلام صاحب ٹیلر ماسٹر ربوہ کی بیگم اور عبدالمنان طاہر صاحب کی والدہ۔ وہ بھی آپ کے مبلغ ہیں جو یہیں اس وقت کام کر رہے ہیں اور راؤ محمد اکبر صاحب جو یہاں آیا کرتے تھے اکثر جلسے پر بڑے ہی فدائی اور بہادر انسان۔ اپنے علاقے میں یہ احمدیت کے لئے بلاشبہ ایک پر رعب ننگی تلوار تھی جس کی مخالفت کی وہاں جرأت نہیں ہوتی تھی پوری۔ اندر اندر مخالفتیں ہوتی تھیں ادھر ادھر لوگوں کو تنگ کیا جاتا تھا مگر راؤ صاحب کے کڑا کے کے سامنے کیونکہ ان کی برادری ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ بڑی بہادر اور لڑائی کرنے والی برادری یعنی ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں ملتا تھا جس طرح پرانے زمانوں میں ہوا کرتا

تھا۔ جہالت میں کہ کوئی نبی اگر کسی بڑے قبیلے کا فرد ہو تو کہتے اس کی وجہ سے ہم تجھے چھوڑ رہے ہیں تو ان کا بھی چونکہ قبیلہ مضبوط تھا اس لئے ان کو جرأت ہوتی تھی اور اپنے قبیلے کی خاطر کبھی بھی انہوں نے احمدیت کا پیغام چھپایا نہیں تو یہ بھی اچانک وفات پا گئے ہیں۔ بہت ہی پیارا تخلص انسان تھا، بہت تبلیغ کرنے والے۔ اللہ ان سب کو غریقِ رحمت فرمائے۔ ابھی نماز جمعہ کے معاً بعد انشاء اللہ ہم ان سب کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

ایک نام رہ گیا ہے ایک مر بی نہیں دو مر بیوں کی والدہ ہیں جو فوت ہوئی ہیں۔ ایک ہمارے ملک محمد اکرم صاحب مر بی مانچسٹر کی والدہ رضیہ بیگم بھی وفات پا گئی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ان کو بھی نماز جنازہ میں شامل رکھیں۔